eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

ڈاکٹر سمیرا اعجاز
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو یونیورسٹی آف اوکاڑا، اوکاڑا

Dr. Sumaira Ijaz
Assistant Professor, Urdu University of Okara, Okara

نو آبادیاتی عہد میں خواتین کی غیر افسانوی نثر – سماجی و ثقافتی تناظر

NON-FICTION PROSE-SOCIO-CULTURAL PERSPECTIVES OF WOMEN IN THE COLONIAL ERA

ABSTRACT

19th century is the century of changes when Urdu prose progressed a lot, not only in the terms of quantity but in the context of trends too. Colonialism is the factor which changed the socio-political scenario of the sub-continent. Urdu non Fictional Prose was written abundantly in colonial period of sub-continent. Women non- fictional writers tried to present the women's problem and focused their individual identity through their autobiographies which are the basic document to study the mental structure and behavior of women in colonial era . These writings are not short in numbers as well, as six autobiographies including Hayat e Qudsi,Tazkira Baqi, Tuzk e Sultani, Gohar e Iqbal, Hayat e Shahjhani, was written by Sultan Jahan Begum. This study will identify the colonial, cultural and modified traditional situation in these writings.

KEYWORDS

sub-continent, autobiographies, colonial era, Qudsi,Tazkira

غیر افسانوی نثر میں سوانح عمری اور خود نوشت سوانح حیات، ایسی اصناف ہیں جو فرد اور معاشرہ، ہر دو سطح پر داخل اور خارج کو ہر عہد کی عوامی تاریخ کا مظہر بنا دیتی ہیں۔ اردو ادب میں نو آبادیاتی عہد جہاں دیگر اصناف میں اپنی جلوہ نمائی کرتا ہے، مذکورہ اصناف بھی سماجی و ثقافتی تشکیل میں طاقت کے مہذب و غیر مہذب، متحرک و سست، اعلیٰ و کمتر کے بیانیے کو اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اس عہد میں خواتین کی محکومیت، صنفی عدم مساوات، پدر سری نظام، قدامت پرستی، افسردگی، بے چینی و تنہائی کو مزاحمت، احتجاج، حقوق و تعلیم نسواں کے شعور کی بیداری کے ذریعے نمایاں کرنے میں سوانح عمریوں اور خود نوشتوں کا جرات مند اظہار سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے اہم نام سلطان جہاں بیگم کا ہے۔ ان کی سوانح عمریوں اور خود نوشت میں اعلیٰ طبقے کی زندگی، مزاج، عادات، عقائد اور روایات، امور ریاست، سازشوں اور مزاحمتوں کو

بے باکی، سچائی اور خلوص کا اسلوب عطا کیا گیا ہے۔ ان کی تحریر کردہ سوانح عمریوں کی زمانی ترتیب سے تفصیل اشاعت حسب ذیل ہے۔

۱۔ حیات شاہجہانی ۱۹۱۴

۲۔ تذکرہ باقی ۱۹۱۵

۳۔ حیات قدسی ۱۹۱۷

اور خود نوشت کی تین جلدیں، تزک سلطانی (۱۹۱۰)، گوہر اقبال (۱۹۱۳)، اور اختر اقبال (۱۹۱۴) شائع ہوئیں۔ ذیل میں ان سوانح عمریوں اور خود نوشت کا سماجی و ثقافتی تناظر پیش خدمت ہے۔

حیات شاہ جہانی

"حیات شاہ جہانی" بھوپال کی نواب شاہ جہاں بیگم کی سوانح عمری ہے جو ان کی صاحب زادی نواب سلطان جہاں بیگم نے تحریر کی ہے۔ یہ سوانح عمری ۱۹۱۴ء میں منظر عام پر آئی۔ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ولادت، تعلیم و تربیت، شادی اور بیوگی وغیرہ جیسے واقعات پر مبنی ہے۔ باب دوم تا باب ششم سیاسی نوعیت کے واقعات کے بیان کے حامل ہیں اور انتظامِ ریاست کی تاریخ کہے جاسکتے ہیں۔ باب ہفتم میں اُن کی سیرت و شخصیت کا بیان ہے۔ دیباچے میں اس سوانح کی ترتیب کا جواز پیش کیا گیا ہے کہ موضوع شخصیت اولی العزم، فیاض، رحیم المزاج اور مدبر ہیں لہٰذا ان کے کاموں کو زندہ رکھنے کے لیے سوانح تحریر کرنا ضروری تھا۔ سلطان جہاں بیگم نے اس سوانح میں ان واقعات کو بیان نہ کرنے کا اعتراف بھی کیا ہے جو دونوں کے درمیان دردانگیزی کا سبب بنے۔ اس سوانح عمری کی تشکیل میں مراسلہ جات اور تقاریر کے متون سے مدد لی گئی ہے۔ سر لیپل گریفن کی تالیف "پرنسز آف انڈیا" (مطبوعہ ۱۸۹۴ء) کو بھی ماخذ بنایا گیا ہے۔

مذکورہ سوانح عمری کا غالب حصہ، بھوپال کے انتظام و انصرام کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس حصے میں انگریز سرکار سے وفاداری کا تذکرہ غالب رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہ جہاں بیگم کی حکمت عملی، انصاف پروری اور بیدار مغزی کی مسلسل داد کے لیے واقعاتی شہادتوں سے مدد لی گئی ہے۔ نو آبادیاتی عہد میں تصنیف و تالیف میں بغاوت کے عنصر کا بیان نواب صدیق حسن خان کے فکر کے ضمن میں ملتا ہے۔ سلطان جہاں بیگم کے نزدیک ان کی بعض کتب میں حکومت کو بغاوت نظر آئی اور اس وجہ سے ان کتب پر نوٹس بھی لیا گیا مگر نواب صدیق نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور اسے ترک نہ کیا۔ ملکہ برطانیہ سے مسلمانوں کے لیے استدعا کرنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ عید الفطر پر عید کی خوشی نہیں منائی گئی بلکہ اُداسی کا سماں تھا اور ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر ان کی عظمت اور محبت کو ہر آنے والی نسل کے لیے ورثہ قرار دیا گیا۔ باب پنجم کو سرکاری تقریبات

کا عنوان دیا گیا۔ تقریب دربار قیصری کا بیان ملتا ہے۔ یہ تقریب باغ نشاط افزا میں منعقد ہوئی۔ وسیع پیمانے پر آتش بازی اور روشنی کا انتظام کیا گیا۔ سرخ سبز لائٹوں کی روشنی ویلکم کے فقرات اور ایک اور تقریب افتتاح ریلوے کا جلسہ تھا جس میں سڑک پر دو رویہ روشنی، آرائشی دروازے اور محرابیں لگائی گئیں۔ اس کے علاوہ ملکہ برطانیہ کو شاہی تقریبات کے پچاس سالہ جوبلی کی تقریب ہندوستانیوں کے ہاں پہلا موقع قرار دیا۔ تقریب کے ساتھ ایک یادگار جدید محلہ، قیصر گنج کے نام سے آباد کیا گیا۔

اس سوانح عمری کا بیشتر حصہ انگریزوں سے وفاداری کے ثبوت بہم پہچانے پر مبنی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو فساد قرار دیتے ہوئے انگریزوں سے وفاداری کا ثبوت یوں فراہم کرتی ہیں۔

> "بلوہ غدر کے خوفناک وقت میں ظاہر ہے جب کہ باغیوں کی فوج نے ان ممالک پر دست درازی کی۔ بیشتر رئیس متردد اور متذبذب پائے گئے لیکن رئیسہ معظمہ نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ ہی تھیں کہ جو نہایت جرأت کے ساتھ ثابت قدم رہیں اور عنان حکومت کو نہایت اُستواری کے ساتھ قبضہ میں رکھ کر تمام فساد و بلوہ کو فرد کیا اور اپنی مملکت میں نہ صرف افسران سرکار انگلشیہ بلکہ تمامی فوائد سرکار عالیہ برطانیہ کو محفوظ رکھا بلکہ وہ کمک اور وہ وفاداری سرکار موصوفہ کے ساتھ کی جس کی انتہا نہیں۔"[۱]

وائسرائے ہند کا بھوپال میں استقبال۔ تیاریاں، آرائشی دروازے، محرابیں جن پر سرخ پھول، منکرہ کرکری، کی پوشش۔ اور دو رویہ چوبی کٹگر تھا جو گوٹے اور کرکری سے منڈھا تھا۔ لال کوٹھی کے صحن میں زردوزی کا شاہی درباری شامیانہ، ویلکم کے الفاظ اور موزوں و مناسب اشعار کاٹ کر لگائے گئے تھے۔ دو رویہ کیلوں کے سبز درخت نصب کیے گئے تھے۔ بیچوں بیچ رنگارنگ پھولوں اور مختلف قسم کے کروٹن کے گملے رکھے گئے تھے۔ دروازہ عالی منزل تک سرخ باغات کا فرش بچھا تھا۔ محل دلکشا اور موتیا تالاب کا ذکر ملتا ہے۔ ملکہ برطانیہ کی ڈائمنڈ جوبلی کا جشن منایا گیا۔ شہر میں چراغاں کیا گیا۔ بہت سے قیدی رہا کیے گئے اور سزاؤں میں کمی کی گئی۔ غرباء میں غلہ تقسیم کیا گیا۔ سوانح عمری کے باب ششم میں شاہ جہاں بیگم کے سفر کلکتہ، بمبئی، دہلی، شملہ اور کان پور کا احوال پیش کیا گیا ہے۔

تذکرہ باقی

"تذکرہ باقی"، سلطان جہاں بیگم کی تحریر کردہ دوسری سوانح عمری ہے جس میں اُنھوں نے اپنے والد باقی خاں صاحب بہادر کی سوانح مرتب کی ہے۔ یہ سوانح عمری مختصر سوانح عمری ہے اور دیباچے میں مواد کی کمی کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ کاغذات اور زبانی روایات سے

معلومات اخذ کی گئی ہے۔ سوانح بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں؛ خاندانی حالات، تعلیم و تربیت، ملازمت، شادی، زمانہ غدر میں خدمات اور اسفار کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں اُن کی سیرت و شخصیت کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاندانی حالات کے لیے سر جان ملکم کی کتاب "ممائر آف سنٹرل انڈیا" اور نواب شاہ جہاں بیگم کی کتاب "تاج الاقبال" اور "تاریخ ریاست بھوپال" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نواب باقی خاں کی شادی کے احوال میں رئیسہ بھوپال اور حکومت کے درمیان خط و کتاب، رسم منگنی، سترہ فائر کی سلامی اور دو کروڑ روپے کے حق مہر کا بیان شامل ہے۔ اس سوانح عمری کا اہم حصہ "خدمات زمانہ غدر" کے عنوان سے ہے۔ سلطان جہاں بیگم نے ہندوستان میں علم و تہذیب، امن و آسائش اور ترقی و تمدن کو انگریزی انتظامات کی دین قرار دیا ہے۔ ریاست بھوپال کی فوج کو سرکشی اور بغاوت سے باز رکھنے کے لیے بہت سی مراعات کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ انگریز، غدر میں خیر خواہی پر ریاست بھوپال کے معترف تھے۔ بیماری کی حالت میں بہت نحیف ہو گئے تو بیٹی (سلطان جہاں بیگم) کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈال کر بے اختیار رونے لگے۔ بیوی کے سامنے بھی یاس انگیزی کی باتیں کرتے تھے۔ مصنفہ نے حُلیہ نگاری کے ساتھ خوراک میں ربڑی کی طرح کے دودھ کا ذکر کیا ہے۔ فنون سپہ گری میں گتکہ پھلی اور بندوق کی نشانہ بازی کے ماہر تھے۔ پیراکی اور شیر کے شکار کے شوقین تھے۔ وہ بہ بطور فرزند سعادت مند، اطاعت و فرمانبرداری میں مثل اور بہ طور شوہر اخلاص اور عقیدت کا نمونہ تھے۔ سوانح عمری میں میاں بیوی کے معمولی جھگڑے اور صلح کا بیان بھی ملتا ہے۔ فنِ طب کے علاوہ ابن رشد کے فلسفیانہ رسالے اور علمائے اسلام کی نادر کتب، ان کے کتب خانے میں موجود تھیں۔ بوڑھی بیوہ عورتوں، یتیم بچوں اور مفلس و مستحق افراد کو مخفی خیرات کیا کرتے تھے۔

لباس میں ململ کا انگرکھا، کُرتہ سفید لٹھے کا پاجامہ اور ململ کا صافہ یا ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ اُن کے خاندان کی عورتوں کو زیورات کا شوق نہیں تھا۔ ایک دکان کے ذریعے تجارت کرتے تھے جس کی شاخیں مکہ، مدینہ اور مصر میں تھیں۔ مصنفہ نے مسلمان عورت کو بہ طور بیوی چاہے وہ بادشاہ ہو، اطاعت و فرماں برداری شریعت کے مطابق ہی کرتی ہے اور کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں کرتی تھیں۔

> "تمام ہندوستان جنگ و جدل کا عادی ہو رہا تھا۔ بات بات پر تلوار میان سے نکلتی تھی۔ مفسدہ پردازی کے لوگ خوگر تھے۔ جہالت کی گھٹا چھائی ہوتی تھی۔ تہذیب و تمدن سے کوئی آشنا نہ تھا۔ ہندوستان کو سلطنتِ برطانیہ کے سایہ میں آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی اور اگرچہ ان برکات امن و امان اور تہذیب و شائستگی کا جو انگریزی حکومت کے مقدمتہ الجیش ہیں قدم ہندوستان میں آ چکا تھا مگر پھر بھی عرصہ دراز کی بدترین حالت چند سالوں میں نہیں سدھر سکتی تھی۔ یہ علم و تہذیب، امن و آسائش اور ترقی و تمدن جو انگریزی انتظامات کی بدولت

ہندوستان کے گویارگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھے، اس وقت اگرچہ مفقود نہ تھا، لیکن اس سے بہت ہی کم ہندوستانی اثر پذیر ہوئے تھے۔"[۲]

اس سوانح عمری میں نواب سلطان جہاں بیگم کی چھوٹی بہن، نواب سلیمان جہاں بیگم، جو صرف پانچ برس نو ماہ زندہ رہیں، کی یاد میں مدرسہ سلیمانیہ، اور مسجد سلیمانی کی تعمیر کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ رسم بسم اللہ اور موت و آہ وزاری کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

حیاتِ قدسی

"حیاتِ قدسی"، نواب بیگم صاحب قدسیہ، تاجِ ہند کی سوانح عمری ہے جو نواب سلطان جہاں بیگم کے قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ سوانح ۱۹۱۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ حصہ اول میں ولادت تا وفات اہم واقعات ہیں اور حصہ دوم میں انتظامِ ریاست اور اخلاق و عادات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دیباچے میں سوانح عمری لکھنے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قدسیہ بیگم کی شخصیت جن اوصافِ حمیدہ اور اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھی، جس بنا پر ان کی سوانح عمری کی تحریر از بس ضروری تھی۔ اس کے علاوہ وہ بھوپال کی پہلی بیگم ہیں جن کی وجہ سے ریاست میں دورِ جدید کا آغاز ہوا۔ اس سوانح کی ترتیب میں جن ماخذات سے مدد لی گئی ہے ان میں سب سے اہم سر جان ملکم کی کتاب "ممائر آف سنٹرل انڈیا" ہے۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور قدسیہ بیگم کے مراسلات، اقرار نامے، کفالت نامے، نجی خطوط اور وصیتوں ایسے اہم کاغذات کو بطور ماخذ بروئے کار لایا گیا ہے۔

تزکِ سلطانی

"تزکِ سلطانی"، سلطان جہاں بیگم کی خود نوشتوں کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اس خود نوست کی تمہید میں بتایا گیا ہے کہ بھوپال میں متواتر تین پشتوں سے حکومت کی باگ ڈور بیگمات کے ہاتھ میں تھی جو اللہ کا فضل ہے اور یہ اس لیے بھی ہوا کہ خواتین مردوں کی نسبت امن پسند اور رحم دل ہوتی ہیں۔

خود نوشت کا آغاز مصنفہ نے نواب سکندر بیگم کی خدمات سے کیا ہے۔ اُنھوں نے بھوپال کی باگ ڈور جن حالات میں سنبھالی وہ مشکل دور تھا مگر اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں اور سپاہیانہ اوصاف کے سبب مسلمہ طاقت ور جنس مرد کی نسبت کمزور سمجھی جانے والی جنس نے ثابت کر دیا کہ وہ زیادہ مضبوط ہے۔ سلطان جہاں بیگم نے بھوپال کی فوج کا ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں حصہ نہ لینے کا سبب فوجی اصلاحات کو قرار دیا ہے جن کے ذریعے فوج فرماں پذیر رہی بلکہ انگریز حکام اور فوج کو رسد پہنچانے کا کام بھی کیا اور حکومت برطانیہ کی خیر

خواہی کا ثبوت بھی پیش کیا۔ اُنھوں نے ریاست کے قوانین کی اشاعت کے لیے مطبع سکندری بنایا۔ انگریزی تعلیم کے لیے مدرسہ سلیمانیہ قائم کیا۔ غریب کاشتکاروں کی فلاح اور حالت زار کا احساس بھی نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرائض مذہبی میں حج کو خواتین کے لیے مشکل کام قرار دیا اور سکندر بیگم کی حج ادائیگی پر فخر کا اظہار بھی ملتا ہے۔ شہر کی صفائی، پختہ اور وسیع سڑکیں اور سڑکوں پر روشنی کا انتظام کیا گیا۔ اس کے بعد مصنفہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام 1858ء تا 1875ء تک کے حالات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ اپنی پیدائش پر لڑکی ہونے کے باوجود لڑکوں کی پیدائشی خوشیاں منانے کا ذکر کیا ہے۔ پانچ سال کی ہوئیں تو رسم بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس کے بعد اپنے ددھیالی خاندان کی بہادری، دلیری، جفاکشی، بیدار مغزی، محنت اور انتظام کا تذکرہ کرتی ہیں۔ اپنی "شادی کے حالات" کے ضمن میں عورتوں کی زندگی کی خوش گواری کو شوہر پر منحصر قرار دیتی ہیں۔ ہندوستانی طریق معاشرت میں والدین، لڑکیوں کے لیے شوہر کی تلاش خود کرتے ہیں۔ گھریلو زندگی کی خوشحالی اور کامیابی کی بنیاد، زوجین کی موافقت، موانست اور دلی محبت پر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شوہر کے انتخاب میں علم و دولت کے ساتھ حسب نسب بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ چوں کہ خاندانی نجابت کی روایتیں غریب اور کم علم لوگوں کو بھی بد اخلاقی سے روکتی ہیں۔ شادی کی تقریبات کا احوال بھی درج کیا گیا ہے جس میں نواب سلطان جہاں بیگم کے والد نے بارات کا استقبال کیا، فوجی بینڈ نے مبارک باد کا راگ الاپا۔ دولہا کے لباس اور نکاح خوانی کا احوال یوں پیش کیا ہے:

> "لباس برنگ آبی بنارسی کامدانی کا زیب بدن تھا۔ بیش بہا مندیل مطلا سر پر تھی اور مالائے مروارید و الماس گردن میں حمائل تھی۔ کمر میں مرصع پر تلا تھا جس میں ایک بیش قیمت شمشیر اصفہانی آویزاں تھی۔ یہ خلعت حسب رواج ریاست سے نوشہ کو عطا ہوا تھا۔ حاضرینِ محفل دولہا کی وجاہت، ادب و اخلاق کو دیکھ کر مرحبا کہتے تھے۔۔۔۔ چہار طرف سے بارک اللہ کا غلغلہ ہو رہا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب (لڑکی کا والد) نے دولہا سے مصافحہ کر کے اپنے پاس بٹھایا۔۔۔ نکاح کا استفسار کیا۔ میں نے میاں احمد علی خاں صاحب کے ساتھ نکاح کی رضامندی ظاہر کی۔ بعد میرے ایجاب کے انھوں نے دولہا سے دریافت کیا، دولہا نے یہ لفظ "قبول" "جواب دیا"۔[۳]

تحقیقی حوالے سے اس خود نوشت کو "تاریخ جلالی" "تاج الاقبال" اور "سفر نامہ عرب از سکندر بیگم کے استفادے سے مزین کیا گیا ہے۔ شادی کی تقریب کے احوال کے ساتھ جہیز کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے۔ دیگر ثقافتی مظاہر میں مزید رسومات کا بیان بھی ملتا ہے۔ مثال کے

طور پر باغ نشاط افزا میں چوتھی کی رسم اور بھوپال کی خاص رسم "رسمِ جمعہ" کا ذکر شامل ہیں۔ رسم جمعہ میں دولہا، دلہن کے رشتہ دار انھیں بہ طور مہمان بلاتے ہیں اور جوڑے اور تحائف پیش کرتے ہیں۔

کھیلوں کا تذکرہ بھی چند مقامات پر ملتا ہے۔ مثلاً نواب سلطان جہاں بیگم، اپنے شوہر کے پسندیدہ کھیلوں کا تذکرہ کرتی ہیں جن میں شکار، نشانہ بازی، گھڑ سواری اور چور رنگ شامل ہیں۔ تعمیرات سے ان کی دلچسپی کی شہادت "باغ حیات افزا" اور "صدر منزل" سے دی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں شہزادہ ویلز کی ہندوستان آمد پر ہندوستانیوں کی خوشی اور عزت افزائی کے حوالے سے اسے صدیوں سے بادشاہت اور شخصی حکومتوں کی عادات قرار دیتی ہیں۔ اپنی پہلی بیٹی کی پیدائش کی خوشی میں پانچ قیدی رہا کرنے اور نقدی اور غلہ خیرات کیا گیا اور صاحبزادی کی برکت کے حصول کے لیے مسجد ماجی میں بھیجنے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ چار پشتوں کے بعد پہلی بار اولاد نرینہ کی خوشی کے احوال میں دختر کی نسبت، بیٹے کی پیدائش کی خوشی کے فرق کو فطرت کا قاعدہ کہتی ہیں۔ اس خوشی میں ملازمین نے بندوقیں سر کیں، شیرینی تقسیم کی، انعام میں روپیہ تقسیم کیا۔ عقیقہ کے روز خلعت عطا کی گئی۔ نکاح ثانی اور نکاح بیوگان، جو مذہبی طور پر جائز ہے لیکن ہندوستانی رواج کے اعتبار سے غیر مستحسن عمل قرار دیتی ہیں۔ اس موقع پر ہندوستان میں ایسی رسومات اور رواجوں کے جگہ پا جانے پر اور ایسی رسموں کے خلاف دینداروں اور مصلحان قوم کے ڈرنے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ "پیر چھٹی" کی رسم کا بیان بھی ہے۔ انگریزوں کو تحائف میں عطر، پان اور جالی کا رومال پیش کیے گئے۔ بیٹی کی علالت پر مساجد میں دُعائے صحت کروائی گئی۔ ختم سلامتی پڑھے گئے، مساکین اور غربا میں صدقہ و خیرات کی گئی۔ نواب قدسیہ بیگم کے انتقال پر شہر میں تین دن تک ہڑتال، دفاتر میں تعطیل اور شاہی جھنڈا نصف ستواں اتارا گیا۔ والدہ اور بیٹی کی آپسی شکر رنجی کا بیان سوز و گداز کا حامل ہے۔ مصنفہ کے نزدیک باپ قوی المزاج ہوتے ہیں اور مائیں نرم دل ہوتی ہیں۔ انھوں نے اپنی والدہ سے محبت اور تسلی کی طلب کا اظہار رقت سے کیا ہے۔ اس حصے کو حکایت درد انگیز کہا ہے۔ ۱۸۶۹ء کے قحط کی حشر سامانیوں کا دل دوز بیان بھی ہے۔ اس کے علاوہ ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی کے موقع پر، وفاداری کے اظہار کے لیے جشن برپا کرنے اور مفاد عامہ کا کوئی کام کرنے کے احکامات کا بھی تذکرہ ہے۔ پختہ پل تعمیر کیے گئے۔ نہر جدید کا اجرا کیا گیا۔ مارکولیس لارڈلینسڈون گورنر جنرل ہند کی لیڈی لینسڈون ہسپتال ایک یادگار کے طور پر قائم کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر کتب خانہ قائم کیا۔ ملکہ وکٹوریہ کی زندگی کے احوال کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ انھیں "مادرِ مہربان" کا خطاب بھی دیا گیا۔ ملکہ کے جشن جوبلی کے سلسلہ میں موتیا تالاب میں بلوری بطین، کنول کے پھول، عالی منزل میں روشنی کی گلکاری، محل دلکشا کی چھت پر گنگا جمنی نقرئی اور بلوری کرسیاں بچھائی گئیں۔ سلامی کی توپیں، شام کو پریڈ گراؤنڈ میں فوجی کرتب دکھائے گئے، رات کو چراغاں اور آتش بازی کی گئی۔

ہندوستان میں جادوٹونے اور اس کے سدباب کا احوال بھی ملتا ہے۔ سرکار خلد مکاں پر جادو کا الزام نواب سلطان جہاں بیگم پر لگایا گیا اور انھیں نور محل کے تالاب سے سرکار خلد مکاں کی صورت کا پتلہ نکال کر دیا جس میں سوئیاں چبھوئی گئیں تھیں۔

ڈاکٹر شبانہ سلیم، سلطان جہان بیگم کی خود نوشت نگاری کی نمایاں خصوصیات کا احاطہ کچھ یوں کرتی ہیں۔

> "نواب سلطان جہان بیگم کی خود نوشت اس صنف ادب کی آبرو ہے اور ان کو خواتین کی خود نوشتوں کی تاریخ میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ریاست بھوپال جیسی عظیم مملکت کی سربراہ کی ذاتی زندگی ہی نہیں بلکہ ریاست بھوپال کی تاریخ کا اہم باب ہیں۔ ان میں کیا نہیں۔۔ ریاست کا نظم ونسق، ریاست کے عوام کی بود وباش، خوشحالی اور مذہبی رواداری، نیک چلنی، علم دوست، ارحاکمان ریاست کا عوام الناس سے مربیانہ برتاو۔۔ ان خود نوشتوں مین اکابرین حکومت ،روسائے سلطنت اور معززین مملکت کے تذکرے اس انداز سے کیے گئے ہیں کہ پورے دور کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور ان خود نوشتوں کے تاریخی اور ثقافتی رشتے شہنشاہ بابر اور جہانگیر کی خود نوشتوں تزک بابری اور تزک جہانگیری سے مل جاتے ہیں۔"[۴]

گوہر اقبال

"گوہر اقبال" میں نواب سلطان جہاں بیگم کی فرماں روائی کے سال ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۸ء کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ سماجی و ثقافتی حوالے سے دیکھا جائے تو اس کے آغاز میں رسم تعزیت کا ذکر ملتا ہے جو تین دن تک جاری رہی اور اس میں وزرا سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکمران و اہلکار سبھی شامل ہوئے۔ صدمے کا اظہار اور تسلی و تشفی کے کلمات ادا ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک اور رسم کا تذکرہ بھی ہے جس میں جس گھر میں موت واقع ہوتی ہے تو لواحقین کے لیے رشتہ دار یا احباب کھانا بھیجتے ہیں یا لاتے ہیں لیکن اس رسم کو نواب سلطان جہاں بیگم نے روا نہیں رکھا بلکہ ایسی رسوم کو ترک کرنے پر زور دیا ہے اور شہ نشیں میں کارچوبی فرش بچھایا گیا تھا۔ چینی کے گملے، شیشہ آلات، مخملی کرسیاں، تمام فوج صف بستہ، کوتل گھوڑے جن پر زریں ساز براق اور اونٹ جن پر زر بفتی جھولیں لٹک رہی تھیں اور تماشائی سڑکوں اور چھتوں پر کھڑے تھے۔ شہنائی نواز سریلی آواز میں شہنائیاں بجا رہے تھے۔

مصنفہ نے علم کے ساتھ تربیت کی اہمیت پر بھی چند کلمات لکھے ہیں۔ خاص طور پر روساء اور امراء کی تعلیم کے ساتھ تربیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ حکومت کی طرف سے خلعت کی جو اشیا عطا ہوئیں ان میں مالائے مروارید، سرپیچ، کنٹھا، ہفت پارچہ، بندوق، تلوار، خلعت نواب بہادر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ انھوں نے میاں بیوی کے باہمی رشتے میں باہمی اعتماد کو بنیاد قرار دیا ہے۔

وہ انگریزوں اور ریاست بھوپال کی نوابی میں اختیارات کے فرق کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"میں شخصی ریاستوں میں وزارت با اختیار کو اُصولاً مفید نہیں سمجھتی، ہر شخص فطرتاً اپنے اختیارات کی وسعت اور اپنی رائے کی پیروی کا خواہش مند ہوتا ہے اور جب وہ اپنے اختیارات میں کوئی نقص پیدا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے یا اپنی رائے کی مخالفت پاتا ہے تو اگر اس میں وفاداری کا مادہ بدرجہ کمال موجود ہے تو خموشی اختیار کرتا ہے ورنہ سو حیلوں سے اپنی کامیابی کے لیے کوشش کرتا ہے۔"[۵]

انھوں نے شخصی حکومت کی مشکلات اور اُن کے حل بھی تجویز کیے ہیں۔ اُن کے نزدیک غفلت، آرام طلبی اور دوسروں پر بھروسہ کر کے نگرانی ترک کر دینے سے انتظامات درست نہیں رہ سکتے۔

سماجی تقریبات کے حوالے سے رمضان المبارک میں محراب سنانے اور نماز تراویح ادا کرنے کا احوال بھی درج کیا ہے۔ شوہر کے انتقال پر صبر کی تلقین کے لیے قرآنی آیات کے حوالے دیے ہیں۔ باپ کے انتقال پر بھائیوں کی کیفیت اور یتیمی کے درد کا پُر اثر بیان ہے۔ ترکے اور شرعی میراث کی تفصیل بھی شامل کی گئی ہے۔ عدت کے ضروری احکامات بھی پیش کیے گئے ہیں جس میں نیا اور رنگین کپڑا پہننے، سر میں تیل ڈالنے، نامحرم سے بات کرنے اور گھر سے باہر نکلنے کی چار ماہ دس دن کی ممانعت شامل ہے اور اس پر خود عمل کرنے کی شہادت بھی دیتی ہیں۔

شادی کی دیگر رسومات میں بھائی کی مہندی لانا اور رخصتی کے وقت دولہا والوں کی طرف سے دلہن کو عمدہ اور قیمتی جوڑے (جو دو سے کم نہ ہوتے تھے) تحفے میں دینے کی رسم کا بیان بھی شامل کیا ہے۔

مصنفہ تقریبات میں شرکت کے وقت بھی شرعی نقاب کیا کرتی تھیں۔ اس کا تذکرہ بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ دربار تاج پوشی دہلی کے موقع پر آرائش و زیبائش کو تفصیلی بیان کیا ہے۔ یہ تقریب ایمفی تھیٹر میں ہوئی جو نعل کی شکل کا تھا۔ گاؤں کی خواتین اور بچوں کی محبت کو بھی پیش کیا ہے کہ جب وہ مشرقی اضلاع کے دورے پر گئیں تو جس بھی گاؤں سے گزرتی، خواتین، چھوٹے بچوں کو گود میں لیے پانی کا برتن لے کر حاضر ہوتی اور خوشی کے گیت گا کر خیر مقدم کرتی۔

بیماریوں کے موقع پر لوگوں کے تصورات بھی کھل کر سامنے آتے ہیں۔ مثلاً جب بھوپال میں طاعون کی وبا پھیلی تو قرنطینہ کا انتظام کیا

گیا مگر لوگ وحشی جانوروں کی طرح بدکتے پھرتے تھے۔ ایسے میں افواہوں کا بازار بھی خوب گرم ہوا۔ وہ جاہلوں پر ان افواہوں کا اثر زیادہ دیکھتی ہیں۔

اُنھوں نے جو اصلاحات کیں اُن میں قیدیوں کو کام سکھانے کے لیے لنگی، دوسوتی، چارخانہ، کمبل، ساڑھی، صابن بنانے اور توشک وجا جم چھاپنے کے لیے کارخانے لگانے کا احوال بھی لکھا ہے۔

بیٹی کے عقیقہ کے موقع پر سر کے بال اتارے اور اس کے حسب رواج کنٹھ اور نقرئی کٹوری اور چہار صد روپیہ دیا گیا۔

ہندوستان میں طریقہ علاج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہندوستان میں طب یونانی کا رواج تھا، جس کا سبب قدیم طریقہ علاج اور سستا ہونا ہے۔ جراحی کا کام، حجام بھی کر دیا کرتے ہیں۔ حکیم اجمل خاں کی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اپنی جواں سال بیٹی آصف جہاں بیگم کی دردناک موت کی یادگار کے طور پر مدرسہ آصفیہ طبیہ قائم کیا گیا۔

وہ تعلیم نسواں کے سلسلے میں مردوں کی ناانصافی کا ذکر بھی کرتی ہیں۔ لڑکیوں کو صرف قرآن مجید کی تعلیم نہیں دینی چاہیے بلکہ دیگر علوم سکھانے کا موقع دینا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مدرسہ سلطانیہ قائم کیا۔ مخالفت کرنے والے پردے کو جواز بنا رہے تھے۔ اس لیے پردہ کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ عوام میں جدید تعلیم سے نفرت، تعصبات، رسم ورواج کی پابندی، نمائش، اور فضول اخراجات سے اخلاق و معاشرت میں بگاڑ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انھیں فائن آرٹس سے دلچسپی تھی۔ اس لیے مکہ معظمہ، مدینہ اور عدن کے پہاڑوں کی واٹر کلر تصویروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

پوتے کی پیدائش پر نقل بادام اور خڑے کے کھانے تیار کیے گئے۔

بچوں کی تعلیم کے لیے جو نصاب پڑھایا جاتا تھا اس کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ "قاعدہ بغدادی" اُردو کی پہلی کتاب مطبوعہ لاہور، قرآن مجید کا ترجمہ، حساب اور انگریزی شامل تھے۔ وکٹوریہ گرل سکول میں کارپٹ اور اُون کا کام بھی سکھایا جاتا تھا۔ نواب سلطان جہاں بیگم کے بیٹے کا جب کرنل کے طور پر تقرر ہوا تو ایک شمشیر جس کا میان و قبضہ طلائی اور مرصع تھا، اس کے زیب کمر کی گئی۔

اس رسم کا بھی ذکر ہے جب بڑے بھائی کے بیٹا پیدا ہوا تو چھوٹا بھائی بندوقوں سے گولی چلا کے خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اس خوشی میں بزرگ چھوٹوں کو جو تحفہ دیتے ہیں اُسے "نیگ" کہتے ہیں۔

بے ہنر عورتیں جو زیادہ تر مزدور طبقہ سے ہوتی ہیں، کی محتاجی پر بھی لکھا ہے۔ دوسرے اولاد زیادہ ہونے کے باعث، فاقہ کشی برداشت کرتی ہیں یا جرائم کرتی ہیں یا موت کنارے لگتی ہیں۔ ایسی عورتوں کو ہنر سکھانے کے لیے مدرسہ قائم کیا گیا۔ دریائے نربدا اور جنگل کا تذکرہ بھی ہے۔

اختر اقبال

"اختر اقبال" کو نواب سلطان جہاں بیگم نے گوہر اقبال کا حصہ دوم قرار دیا ہے۔ اس خود نوست میں ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔ اکتالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب سالگرہ صدر نشینی کے عنوان سے ہے، اس باب میں وہ ایسے مواقعوں پر رقص و سرور کو خلاف شرع اور اخلاق و اسراف کا باعث قرار دیتی ہیں۔ ڈاک کے پرانے ذرائع ہرکارے اور بھینگی کی جگہ جدید انگریزی طرز کے ڈاک خانہ جات کی اصطلاحات کا بیان کیا گیا ہے۔ افیون کی کاشت اور دیگر مسکرات پر پابندی، ربڑ اور کافور کی کاشت پر زور کے ساتھ نسل مویشی کی افزائش پر میلے منعقد کرنے کے لیے انتظامات کو بیان کرتی ہیں۔ ان اصطلاحات کی مدح میں سنٹرل پراونس کے گزٹ سے رپورٹ بھی پیش کی ہے۔ جاگیر میں پٹوں پر اللہ اکبر لکھنے کی رسم جو شہنشاہ اکبر کے دور سے رائج تھی، کو جاری رکھنے پر فخر کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ عوام کارئیس کے ہاتھ سے غلّہ اور پٹہ ملنے کو عمدہ شگون اور زراعت میں فارغ البالی اور زمینداری میں باعث برکت سمجھتی تھی۔

یورپ اور ہندوستان کے مختلف رواجوں کا تقابل بھی کیا ہے جیسا کہ یورپ میں تیمارداری ایک فن ہے جب کہ ہندوستان میں یہ بے قاعدہ اور خراب نظام ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی خواتین کو نرسنگ کی تعلیم کے لیے لیڈی نرسنگ سکول کا اجرا کیا گیا۔

ممدوحین کے لیے یادگار قائم کرنے کے رجحان کا تذکرہ اکثر مقامات پر کیا گیا ہے۔

عورتوں کے لیے کلب بنایا گیا تو اس کا نام پرنسس آف ویلز رکھا گا۔ ہندوستان میں خوٰاتین کے لیے سوسائٹیوں کے قیام کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

> "یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی و شائستگی کا بہت کچھ انحصار عمدہ صحبت اور شائستہ سوسائٹی پر ہے۔ جس قدر سوسائٹی بہتر ہو گی اسی قدر وسیع الخیالی پیدا ہو گی اور یہی وسیع الخیالی ترقی اور شائستگی کی بنیاد ہے۔۔۔بدقسمتی سے ہندوستانی عورتیں چوں کہ تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ اس لیے سوسائٹی کے فوائد سے بھی محروم ہیں۔ میں نے سوسائٹی نہ ہونے کا نقصان یوں اور بھی محسوس کیا کہ عموماً جاہل اور لکھی پڑھی عورتیں یکساں فضول مراسم اور لغو رواجات کی گرویدہ ہیں۔"[٦]

مذکورہ بالا کلب میں کتب، اخبارات، زنانہ کھیل کی اشیاء بھی فراہم کی گئیں۔ میوزیم کی عمارت سنگ سرخ سے تعمیر کی گئی اور اس میں قدیم ساخت اور دستکاری کی اشیا جو زمانہ قدیم کے تمدن کا اظہار ہیں، جمع کی گئیں۔ میوزیم کے ساتھ ایک باغ بھی بنایا گیا اور پردہ نشیں خواتین کے لیے اس کی چار دیواری کو بلند بنایا گیا۔ اس کا نام ایڈورڈ میوزیم رکھا گیا۔ اس کے افتتاح کی رسم لارڈ منٹو کے ہاتھوں انجام پائی۔ لارڈ منٹو کی آمد پر اسٹیشن سے پل پختہ تک سڑک کے دونوں اطراف بانس کی ٹیٹوں پر عشق پیچاں کی بیل لگائی گئی اور رنگ برنگ کی جھنڈیاں آراستہ کی گئیں۔ تقریب میں مصنفہ نے اپنی تقریر کے طویل اقتباسات بھی دیے گئے ہیں۔ انگریزوں کی مدح سرائی دیکھیے:

> "ہر عقل مند آدمی سمجھتا ہے کہ سلطنت برطانیہ نے دول عالم کے مقابلہ میں جو برتری حاصل کی ہے وہ محض فوجی قوت ہی سے نہیں بلکہ اس میں اخلاقی قوت بھی شامل ہے۔ پس ہندوستان پر یہ خدا کی رحمت ہوئی کہ یہ ملک اسی سلطنت کے اقتدار میں آیا بلاشبہ ایک لمحہ کے لیے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطنت کی دستگیری وفیاضی سے ہندوستان نے ہر قسم کی ترقیاں حاصل کیں اور آج ہندوستان جس امن وامان، عدل وانصاف اور انگلش قوم کی فیاضی سے بہرہ ور ہے اس کی نظیر گذشتہ زمانے میں قطعی مفقود ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کے باشندے اور بالخصوص عاماتاً اہل اسلام ہمیشہ سلطنت برطانیہ کے برکات کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنی آسودگی وترقی کو برٹش سلطنت اور انگلش قوم کی مہربانی کے ساتھ وابستہ جانتے ہیں۔"[۷]

پوتی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار، سات دن بعد عقیقہ، بیٹے کی شادی پر رسومات اور کنگ ایڈورڈ ہفتم کے انتقال پر رسم تعزیت کا بیان بھی شامل کتاب ہے۔ کنگ ایڈورڈ ہفتم کی شخصیت اور خدمات پر کئی صفحات تحریر کیے گئے ہیں۔ جارج پنجم کی تخت نشینی کے موقع پر جھنڈے کی پوری بلندی تک بلند کرنے، ایک سو ایک ضرب توپ کی سلامی کی تقریب کے اشتہار کو بھی شامل تحریر کیا ہے۔ ایڈورڈ ہفتم کی آخری رسومات کے بیان میں مردوں اور عورتوں کے سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس ہونے، بینڈ کی ماتمی دھن اور اسکول کے لڑکوں کے ماتمی گیت کو بیان کیا ہے۔ حضرت صابر کلیری کے مزار پر حاضری اور فاتحہ کا بھی ذکر ہے۔

ان خود نوشتوں کے سادہ مگر دلنشیں پیرایہ اظہار سے متعلق ڈاکٹر رضیہ حامد لکھتی ہیں۔

> "سلطان جہاں بیگم کی کتب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ وہ جب بولتی تھیں ویسا ہی تحریر کرتی تھیں۔ انا کا انداز تحریر حشو و زوائد سے پاک، شستہ، اور دلنشیں ہے۔ طرز بیاں مدلل، پر زور اور پر اثر ہے۔ نواب سلطان جہاں بیگم

نے روکھے، خشک مضامین، دلچسپ اور دلپذیر انداز میں بیان کیے ہین۔ وہ ثقیل الفاظ اور مغلق اصطلاحات سے گریز کرتی تھیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم کی تحریریں، ان کی فکر، درد، خلوص اور ہمدردی کے جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہیں۔"[۸]

نو آبادیاتی عہد میں لکھی جانے والی مذکورہ بالا سوانح عمریاں اور خود نوشتیں، ہندوستان کے سماجی ڈھانچے کی تشکیل میں نئی نو آبادیات کے کردار کے ساتھ ساتھ ثقافتی تشکیل کے روایتی اسالیب کی نئی تفہیم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ کتب اعلیٰ طبقے کی خواتین کے مزاج، رویوں، روزمرہ امور اور اقدار کی آئینہ دار ہیں۔ ہندوستان میں ریاستی امور کی بجا آوری میں خواتین کا کردار بھی اپنی مثال آپ بن کے سامنے آتی ہیں، اس کے علاوہ یہ سوانح عمریاں اور خود نوشتیں، اردو خواتین سوانح نگاروں کے لیے ایک بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سلطان جہان بیگم، حیات شاہجہانی (آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۹۱۴) ص۸۷

۲۔ سلطان جہان بیگم، تذکرہ باقی (بھوپال: مطبع سلطانی، ۱۹۱۵) ص۴۹

۳۔ سلطان جہان بیگم، تزک سلطانی (بھوپال: مطبع سلطانی ۱۹۱۰) ص۸۷

۴۔ ڈاکٹر شبانہ سلیم، اردو میں خواتین کی خود نوشت سوانح عمریاں (بھوپال: باب العلم پبلی کیشنز، ۲۰۱۵) ص۲۵۵۔۲۵۶

۵۔ سلطان جہان بیگم، گوہر اقبال (بھوپال: مطبع سلطانی، ۱۹۱۳) ص۲۷۔۲۸

۶۔ سلطان جہان بیگم، اختر اقبال (آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۹۱۴) ص۲۵

۷۔ ایضا، ص۴۷

۸۔ ڈاکٹر رضیہ حامد، نواب سلطان جہاں بیگم (بھوپال: باب العلم پبلی کیشنز، ۲۰۱۱) ص۲۰۴